اسلام اور تھیا کریسی

(عبد الحمید)

(۲)

تھیا کریسی کی غایت اولیٰ یہی ہے کہ دنیا میں ایک ایسا ظالمانہ اور قاہرانہ نظام قائم کیا جائے جس میں لوگوں پر زیادہ سے زیادہ سختیاں کی جاسکیں، کیونکہ ان سختیوں کو برداشت کرنے سے ہی انسان کی عاقبت درست ہو سکتی ہے۔ چونکہ حکومتِ الٰہیہ کا اصل مقصد لوگوں کی عاقبت کو سنوارنا ہے اس لیے اس زندگی میں جس قدر استبداد زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ عوام کے حق میں بہتر ہے۔ اس بنا پر اگر تھیا کریسی کی حدود میں کوئی فاقہ مستی کا شکار ہے، کوئی بیمار ہے، کوئی بے گھر ہے، تو اسے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس دنیا میں جہنم کی سی سختیوں کو برداشت کرنے کے بعد ہی اُسے آخرت میں جنت کی نعمتوں کی توقع ہو سکتی ہے۔ اب اگر حکومت کسی فرد کو بھوک اور افلاس سے نجات دلاتی ہے، اُس کے علاج کا انتظام کرتی ہے، اُسے مکان مہیا کرتی ہے تو وہ مشیتِ الٰہی میں حائل ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ حکومتِ الٰہیہ کہلانے کی مستحق نہیں۔ اسلام کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ انسان دنیا میں خدا کا نائب اور خلیفہ ہے اور اس وجہ سے اس کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا میں رب العالمین کی ربوبیت سے فائدہ اٹھا کر اس کے احکام کے مطابق ایک ایسا صالح نظام قائم کرے جو اگر ایک طرف روحانی اور اخلاقی برتری کا ضامن ہو تو دوسری طرف سیاسی، تمدنی اور معاشی ترقی و کمال کا بھی حامل ہو۔ انہی وجوہ کی بنا پر اسلامی حکومت جہاں عوام کے اخلاق کو درست کرنے کا انتظام کرتی ہے وہاں اس بات کا بھی خیال رکھتی ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر رہنے والا کوئی فرد بھی زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم نہ ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انا وارث من لا وارث لہ اعقل لہ وارثہ (ابوداؤد) | میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں۔ اس کی جانب سے دیت ادا کروں گا (اگر اس کے ذمہ واجب الادا

	ہو گی) اور اس کی وراثت لونگا اگر اُس نے چھوڑی ہو گی۔
اَلسُّلطان ولی من لا ولی له	حکومت ہر اُس شخص کی ولی (دست گیر و مددگار ہے) جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

ان الله تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالهم بقدر ما یکفی فقراءهم، فان جاعوا اوعروا وجهدوا فیمنع الاغنیاء وحق علی الله تعالیٰ ان یحاسبهم یوم القیٰمة ویعذبهم علیه (محلّی ص ۱۵۸)	اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پر ان کے غریب بھائیوں کی معاشی حاجت کو بدرجۂ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے، محض اس بنا پر کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کریگا اور اس کوتاہی پر ان کو عذاب دے گا۔

اسلامی حکومت کی اسی ذمہ داری پر بحث کرتے ہوئے مشہور محدّث ابن حزمؒ ظاہری تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مالِ فئے (بیت المال کی آمدنی) سے ان غرباء کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے (یعنی ان کے فاضل مال سے بہ جبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے حوادثات سے محفوظ رکھ سکے"

خلفائے راشدین اس ذمہ داری کو جس مستعدی و سرگرمی اور جس فیاضی کے ساتھ بلا کسی تاخیر کے ادا کرتے تھے، تاریخِ عالم کا ہر ورق اس کا گواہ ہے۔ مولانا شبلی نعمانی اپنی مشہور تصنیف الفاروق میں لکھتے ہیں:۔

"اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالکِ محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔

یہ عام حکم تھا اور اس کی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج از کار رفتہ، مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ آپ نے یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جریب آٹا پکایا جائے پک کر تیار ہوا تو تیس آدمیوں کو بلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکوایا اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کے لیے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لیے دو جریب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لیے اسی قدر آٹا مقرر کر دیا جائے۔ اعلان کے لیے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے۔

انی قد فرضت لکل نفسٍ مسلمةٍ فی شهرٍ مدی حنطة وقسطی خلٍ

یعنی میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مد گیہوں اور قسط بھر سرکہ مقرر کیا۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لیے بھی۔ غربا اور مساکین کے لیے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیے جائیں۔ چنانچہ بیت المال کے عامل کو لکھ کر بھیجا کہ خدا کے اس قول میں کہ "انما الصدقٰت للفقرآء والمساکین" فقرا سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔[1]"

نظام تھیا کریسی کو جو چیز غذا مہیا کرتی ہے وہ عوام کی جہالت ہے اسی سے مذہبی طبقوں کی سطوت اور خدائی قائم رہتی ہے۔ اس لیے ان لوگوں نے علم دین اور اس کے حصول کو صرف اپنے تک محدود رکھا اور باقی لوگوں کے لیے یہ ایک "شجر ممنوع" قرار دیا گیا۔ مذہبی پیشواؤں کو یہ خوف لاحق تھا کہ "اندرون خانہ" مذہب کے نام پر جو کچھ کیا جا رہا ہے اگر اس کا عوام کو علم ہو گیا تو ان کی پیشوائی کا طلسم ٹوٹ جائیگا۔ اور لوگ ان کے دام میں اتنی آسانی سے اسیر نہیں ہونگے لہٰذا انہوں نے لوگوں کو تعلیم سے بے بہرہ رکھنے کی پوری پوری کوشش کی۔ اس کے برعکس نظام اسلامی میں خلفاء نے زندگی کی اس اہم حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا کہ جو چیز کسی فرد کے ضمیر کو حساس بناتی ہے اسے خیر و شر میں بلا تاخیر تمیز کرنا سکھاتی ہے، وہ صرف علم کی قندیل ہی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان اپنی ساری قوتوں کو مجتمع کرنا، اور ان سے صحیح طور پر کام لینا سیکھتا ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ نت نئے تجربات کرتا ہے اور اس طرح اپنی زندگی میں توسیع و استحکام پیدا کرتا ہے۔ اسی سے خودی اپنی تقدیر کی تعبیر کرتی ہے۔ انسان اپنی ذات کے

[1] الفاروق از علامہ شبلی نعمانی

اثبات اور تکمیل کے لیے اس بات کا محتاج ہے کہ وہ نہ صرف اپنے گرد و پیش سے واقف ہو بلکہ اپنے آئیڈیل اور اس کے مضمرات سے بھی اچھی طرح شناسا ہو تاکہ وہ جب بھی ماحول میں اپنے اس نصب العین کے مطابق تصرف کرنے کا ارادہ کرے تو اس راہ کی مشکلیں اس کے لیے آسان ہو جائیں۔ تھیاکریسی نے علم کو چند لوگوں کی میراث بنا کر طالب و مطلوب کے درمیان جو پردے حائل کر رکھے تھے اسلام نے ان سب کو تار تار کر دیا ہے اور ہر فرد کو نہ صرف موقع دیا ہے بلکہ اس پر فرض کیا ہے کہ وہ حق کو خود اپنی آنکھ سے دیکھے۔ اُس کی آیات پر خود غور و فکر کرے اور پھر اپنی عقل اور وجدان سے کام لے کر زندگی کا سفر شروع کرے۔ علم کی اسی فرضیت کو حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ علم کا حصول ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو جس قدر اہمیت دی ہے اُس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ بدر کی لڑائی میں جو قیدی گرفتار ہوئے اُن میں بعض تعلیم یافتہ قیدیوں کا فدیہ آپ نے یہ قرار دیا کہ وہ مسلمانوں کے کچھ بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ اس کے علاوہ بالغوں میں تعلیم عام کرنے کے لیے حضورؐ نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا کہ مدینہ کے باہر کے مسلمان اپنے میں سے کچھ ذی صلاحیت افراد کو مدینہ بھیجیں تاکہ وہ وہاں سے تعلیم حاصل کر کے جب وہ لوٹیں تو پھر اُس سے پوری بستی کو بہرہ ور کریں۔ جن لوگوں کو حکومت کے بڑے بڑے مناصب عطا کیے جاتے انہیں بھی تعلیم کے متعلق خاص تاکید کی جاتی۔ چنانچہ عمرو بن حزم کو یمن کا گورنر مقرر فرماتے ہوئے کہا:۔

> "اور اُس کو یہ ہدایت کی کہ وہ حق پر قائم رہے۔ جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور لوگوں کو بھلائی کی خوشخبری اور بھلائی کا حکم دے۔ اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دے اور ان میں اس کی سمجھ پیدا کرے اور لوگوں کو ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ لگانے سے روکے . . . . اور لوگوں کی دلداری کرے یہاں تک کہ لوگ دین کا فہم پیدا کرنے کی طرف مائل ہوں[۱]"

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے خطبوں میں بار بار فرمایا کرتے تھے:۔

اللھم انی اشھدک علی امراء الامصار فانی انما بعثتھم لیعلموا الناس دینھم و

اے اللہ! میں اپنے تمام علاقوں کے عہدیداروں پر تجھ کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے ان کو اس لیے مقرر کیا ہے

---

[۱] ابن ہشام بحوالہ "اسلامی ریاست" از مولانا امین احسن اصلاحی

سنتہ نبیھم - کہ وہ لوگوں کو ان کے دین اور ان کے نبی کے طریقہ کی تعلیم دیں۔

ایک دوسرے خطبہ میں عوام کو اپنے عہدیداروں کے اس فرض سے ان الفاظ میں آگاہ فرمایا ہے :-

ولکنی استعملتھم لیعلموکم کتاب ربکم و سنۃ نبیکم۔[۱] — میں نے ان کو اس لیے مقرر کیا ہے کہ تم کو تمہارے پروردگار کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی تعلیم دیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تعلیم کو عام کرنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں اُن کے متعلق مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں :-

"تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کرکے ان کی تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں ..... خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر جاری کی۔ چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن پاک کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔ مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیئے گئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے[۲]"

قرآن حکیم اور سنت نبوی نے جو بصیرت مسلمانوں کے اندر پیدا کی اس کی مدد سے انہوں نے انفس و آفاق پر غور کرکے خدا کی حکمتوں کو جاننا شروع کیا اور اس طرح اپنے نظام تصورات اور نظام عمل میں صحیح توازن پیدا کیا۔ فکر و نظر کی اس تبدیلی سے مسلمان حکمائے اپنے طرز استدلال کو بھی یکسر بدل دیا۔ انہوں نے بندھے ٹکے کلیات سے منطق کے بل پر جزئیات[۳] اخذ کرنے کے معروف طریقے کو چھوڑ کر جزئیات کے تجربہ اور مشاہدہ سے کلیات اخذ کرنا سیکھا۔ اس طرح جدید سائنس کی بنیاد ڈالی۔ پھر اس میں بھی مسلمان مفکرین کا کمال یہ ہے کہ وہ اس راہ کے کانٹوں سے پوری طرح دامن بچا کر نکل گئے۔ استقرائی منطق اور تجربہ اور مشاہدہ اکثر اوقات انسان کو

---

[۱] ابن ہشام بحوالہ ریاست اسلامی از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی۔ [۲] ایضاً۔ [۳] الفاروق شبلی نعمانی

[۴] قرآن پاک میں بار بار ذکر آتا ہے کہ فطرت کا مشاہدہ کرو۔ یہاں صرف چند آیتیں نقل کی جاتی ہیں ان فی خلق السمٰوات والارض لآیٰت للمؤمنین ۔ وکاین من آیۃ فی السمٰوات والارض یمرون علیہا وھم عنہا معرضون

[۵] استخراجی (DEDUCTIVE) ۔ ۴۷

مادی دنیا کے "خم و پیچ" میں اُلجھا دیتا ہے اور اس طرح حقیقت تک پہنچنے میں اسے کامیابی نصیب نہیں ہوتی پھر اس کے ذریعہ انسان کے اندر ایک غلط قسم کی خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ بسا اوقات وحی و الہام کی ضرورت کا انکار کر دیتا ہے۔ مسلمان حکما نے اس طریقِ استدلال سے بالکل ایک دوسری طرح کا کام لیا۔ اس عالم رنگ و بو کی رنگینیاں اور رعنائیاں ان کی نظر کو فریب نہ دے سکیں۔ وہ ان سے گزر کر اس ذات تک پہنچے جس کے ایک معمولی اشارہ نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا۔ انہوں نے مادی زندگی سے پوری طرح فائدہ اُٹھا کر بھی اس کی مبالغہ آمیز قدر و قیمت سے احتراز کیا اور انسان کو فطرت کا تابع بنانے کی بجائے فطرت کا مسخر کرنے والا قرار دیا۔ پھر انہوں نے مشاہدہ اور تجربہ کی اہمیت کو پوری طرح تسلیم کرتے ہوئے انسان کو یہ بتایا کہ ان کی کچھ حدود و قیود ہیں۔ جن کو پھاندنا اس کے لیے سخت مہلک ہے۔ اس طرح انہوں نے عقل سے پوری مدد حاصل کی مگر اس کی امامت اور پیشوائی کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ خود عقل کو بھی اس راز سے آشنا کیا کہ زندگی کے کون سے گوشے اس کی رسائی سے باہر ہیں۔ لہٰذا اسے اپنے آپ کو "اُن" کو "چوں" میں نہیں لے جانا چاہیے جہاں سے بالآخر اسے رسوا ہو کر لوٹنا پڑے۔ اسی طرح انہوں نے نہ صرف وحی و الہام کی ضرورت کو واضح کیا بلکہ عقل کو بھی ایک خطرناک گمراہی[1]

[1] اس مسئلہ پر اسلام کے بے شمار حکمانے بحث کی ہے مگر ہم یہاں صرف ابن خلدون کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:-

"اپنے ذہن کے اس دعویٰ پر کبھی اعتماد نہ کرنا کہ وہ کائنات اور اسبابِ کائنات کا احاطہ کر سکتا ہے اور پورے وجود کی تفصیل پر اسے قدرت ہے . . . ہمارے یہ ادراکات محدود اور حادث ہیں، اور خدا کی قدرت اور اسکی مخلوقات اس سے کہیں زیادہ وسیع اور اس کے وجود کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ فراخ ہے، اور اللہ کا احاطہ سب کو شامل ہے۔ پس اپنی قوتِ ادراک کی وسعت اور اپنے مدرکات کی تعداد پر ہمیشہ شبہ کرو اور شریعتِ الٰہی کی تعلیمات پر ہمیشہ اعتماد رکھو۔ اس لیے کہ اس کو تمہاری سعادت کا تم سے زیادہ خیال اور تمہارے منافع کا تم سے زیادہ علم ہے، اس کی منزل تمہاری منزلِ علم سے کہیں بلند اور اس کا دائرہ تمہاری عقل کے دائرہ سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ لیکن اس سے عقل اور اس کے مدارک پر کوئی حرف نہیں آتا عقل ایک صحیح ترازو ہے۔ اس کے فیصلے یقینی ہیں، جن میں کوئی جھوٹ نہیں، لیکن تم اس ترازو میں امورِ توحید، امورِ آخرت، حقیقتِ نبوت، حقائق صفاتِ الٰہی اور وہ تمام امور و حقائق (باقی ص ۶۹ پر)

سے بچایا، اور دنیا کو یہ حقیقت ذہن نشین کرائی کہ انسان کی مادی زندگی بھی اس بات کی محتاج ہے کہ اُسے ایک بالاتر روحانی زندگی کے تابع کیا جائے۔ اس ایک نقطۂ نظر کے مطابق مسلمانوں نے اپنے سارے نظامِ حیات کی تدوین کی۔ اسی کے مطابق ان کی معاشرتی زندگی وجود میں آئی۔

یورپ میں آج علم و ہنر کی جو روشنی موجود ہے وہ رہینِ منت ہے اس شمع کی جسے نبی آخر الزماں نے آج سے ۱۴سو سال قبل عرب کے ریگستان میں فروزاں کیا تھا۔ یہ ایک اتنی بڑی حقیقت ہے کہ اس کو کسی صورت میں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مسلم تو کیا؟ بڑے بڑے متعصب غیر مسلموں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے ڈاکٹر گیستاؤ لیبوں اپنی کتاب "تمدنِ عرب" میں اس کا یوں اعتراف کرتا ہے:-

"عربوں کے اندلس میں دسویں صدی میں ہونے کی بدولت یورپ کے ایک گوشہ میں علوم و ادب کا وہ چرچا باقی رہا جو ہر جگہ بلکہ قسطنطنیہ میں بھی متروک ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں بجز عربی سرزمین اندلس کے اور کوئی مقام نہ تھا جہاں علوم کی تحصیل ممکن ہو اور یہیں وہ خاص اور معدودے اشخاص جن کو علم کا شوق تھا تحصیل کے لیے آتے تھے۔ ایک اختلافی روایت کی رُو سے جس کا غلط ہونا اب تک ثابت نہیں ہوا ہے۔ گربرت نے جو ۹۹۹ء میں سلوستر دوم کے نام سے پوپ بن گیا یہیں علم حاصل کیا تھا۔ جس وقت اس نے اپنے علم کو یورپ میں اشاعت دینا چاہی تو وہ یورپ کو اس قدر خلافِ فطرت معلوم ہوا کہ انہوں نے اسی پر شیطان کے مسلط ہونے کا الزام لگایا۔ پندرھویں صدی تک کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہ دیا جاتا تھا جس نے محض عربوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ۔) جو ماورائے عقل ہیں تول نہیں سکتے۔ یہ لاحاصل کوشش ہو گی اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لیے ہے۔ اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا جو ناممکن ہے اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے۔ اس طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس کے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی۔ وہ اللہ اور اُس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ وہ اس کے وجود کے مقابلے میں ایک ذرہ ہے۔"

سے نقل نہ کیا ہو.......

راج بیکن، پیا کا لیونا ڈوبل نو کا آر تو ریا لل سنٹ ٹامس، ابرٹ بزرگ فسطلیہ کا الفانس دہم، یہ سب بزرگ عربوں کے شاگرد تھے یا ان کی تصنیفات کے نقل کرنے والے۔ موسیو رینان لکھتے ہیں "کہ ابرٹ بزرگ نے جو کچھ پایا ابن سینا سے پایا اور سینٹ ٹامس کو اس کا سارا فلسفہ ابن رشد سے ملا" ان ہی عربوں کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں پر، علی الخصوص علمی کتابوں پر پانچ چھ صدی تک یورپ کے کل دارالعلوموں کی تعلیم کا دارومدار رہا بعض علوم میں مثلاً طب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربوں کا تسلط خود ہمارے زمانہ تک رہا ہے کیونکہ صدی گذشتہ کے اخیر تک فرانس میں ابن سینا کی تصنیفات پر شروح لکھی جاتی تھیں۔"

تھیاکریسی اور اسلام میں ایک اور فرق یہ ہے کہ تھیاکریسی کا نظام حیات اس بنیاد پر قائم کیا گیا ہے کہ نظام جس قدر غیر معقول ہو گا اسی نسبت سے اس کے ماننے والوں کو اپنے جذبۂ اطاعت و پیروی کی شہادت دینا آسان ہو گی۔ اس لیے اس نظام میں تعلیل و مصالح کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ یہ چند رسوم و احکام کا ایک ایسا انبار ہے جس میں کوئی سر رشتۂ مصلحت پنہاں نہیں۔ اس طرزِ فکر کو سینٹ اگسٹائن نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"میرا اس پر اس لیے ایمان ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔"[۱]

اس طرح اس نظام میں وہی شخص زیادہ قابلِ قدر ہے جو احکام الٰہی کے مصالح کو سمجھنے کی کم سے کم کوشش کرتا ہے اور مذہب کے نام پر عائد کردہ پابندیوں کو بغیر اُن کے مقصد و منشا کو سمجھے بلا چون و چرا قبول کرتا چلا جائے۔ اگر اس طرزِ فکر پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ

(۱) تھیاکریسی نے فکر و عمل کا ایک ایسا بے روح اور بے لچک ڈھانچہ پیش کیا جس میں مبادیات سے یکسر فروعات تک کسی معمولی تبدیلی کی بھی گنجائش باقی نہ رہی۔

(۲) ما سے کے اختلاف کو خواہ وہ کتنا ہی غیر اہم اور جزوی ہو بالکل برداشت نہ کیا جاتا۔

---

۱ CREDO A QUIA, ALESURDUN.

(۳) غور و فکر، تدبر اور تفکر کا پوری طرح گلا گھونٹ دیا گیا۔

جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات کا ایک سرسری سا جائزہ بھی لیا ہے وہ بھی اس حقیقت سے اچھی طرح آشنا ہیں کہ اسلام کا نظامِ حیات معقول المعنی ہے، اس کی ساخت اور بناوٹ اس بات کی آئینہ دار ہے کہ اس کے بنانے والے نے انسانی نفسیات کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اس لیے اس کی تعلیمات قرینِ عقل و دانش ہیں اور اس نے تبلیغ کا جو طریق اختیار کیا ہے اُس سے ایک سلیم الفطرت انسان میں غور و فکر کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کے دفاع کے لیے متکلمین کارواں در کارواں پیدا ہوئے اسی کے معارف کو سمجھانے کے لیے غزالی، خطابی، عزالدین۔ ابن عبدالسلام، اشعری، ابن تیمیہ، ابن قیم اور شاہ ولی اللہؒ ایسے جلیل القدر علماء پیدا ہوئے جنہوں نے نہایت سی کاوش سے نہ صرف عبادات کے اسرار و رموز بیان کیے بلکہ معاشرت و اخلاق میں اسلام نے جو پابندیاں لگائی ہیں اُن کی حکمتوں سے بھی اہلِ دنیا کو آشنا کیا۔ اسی کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :۔

"لوگوں کا خیال ہے کہ شریعت کے احکام میں کوئی خاص مصلحت نہیں، کوئی خوبی اور فائدہ پیشِ نظر نہیں ہوتا اور یہ کہ اعمال نیک و بد اور ان کی جزا سزا میں کسی قسم کی مناسبت کا ہونا ضروری نہیں۔ ان لوگوں کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن فرائض اور احکام سے لوگوں کو مکلف کیا ہے (ان کی بجا آوری ان پر فرض کی ہے) ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آقا اپنے غلام کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری کی آزمائش کرنا چاہتا ہو اور اس لیے وہ اس کو حکم دے کہ اس پتھر کو یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھ دو . . . . اس سے اس آقا کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ معلوم ہو جائے۔ ویسے اس غلام کے ایسا کرنے میں کچھ بھی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ یہ خیال محض غلط ہے جس کی احادیث نبویہ اور صحابۂ کرام کے اقوال سے جس کو علمی زبان میں آثار کہا جاتا ہے تکذیب ہوتی ہے، صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا"

حجۃ اللہ البالغہ

قرآن حکیم نے اکثر مقامات پر اس امر کی صراحت کی ہے کہ احکام خداوندی میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بیشمار حکمتیں موجود ہیں۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (ق) — اس میں یقیناً نصیحت ہے اس کے لیے جس کے پہلو میں دل ہو یا جو پوری توجہ کے ساتھ سنے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (انعام) — ہم نے آیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔

لَقَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ (انعام) — ہم نے آیات کو ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ (لقمان) — یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حکمت سے مملو ہے۔

سُورَةٌ أَنزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (نور) — یہ سورۃ ہے جسے ہم نے اتارا ہے، اور اس میں حدود و احکام کو بیان کیا ہے اور کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (جاثیہ) — یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتری ہے جو عزیز اور حکیم ہے۔

یہ آیتیں صرف قرآن حکیم کے دعوت کے طریق سے متعلق ہیں۔ ان میں مسائل کو سمجھانے کا جو ڈھنگ اختیار کیا گیا ہے اُن میں بھی انسان کی عقلِ سلیم سے اپیل کی گئی ہے۔ مثلاً

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء) — اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور خداؤں کا وجود ہوتا تو ان کے نظم و نسق میں غضب کا بگاڑ پیدا ہوتا۔

اسی طرح مختلف احکام دیتے وقت ان کی حکمت بھی بیان کر دی گئی تاکہ آنے والے لوگ اگر کبھی ضرورت محسوس کریں اُن سے استنباط کر سکیں۔ مثال کے طور پر نماز کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:-

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۔ اور نماز میری ہی یاد کے لیے قائم رکھو۔

پھر روزوں کے متعلق یوں فرمایا گیا ہے :-

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ تم پر روزہ فرض کیا گیا۔ جس طرح ان قوموں پر فرض کیا گیا تھا۔ جو تم سے پہلے گزری ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ

قصاص کا حکم دیتے ہوئے یوں کہا گیا ہے :-

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ اے عقل والو! قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ توقع ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو گے ۔

احادیث میں بھی بعض احکام کے ضمن میں مصالح وعلل کی نشاندہی کا سراغ ملتا ہے جیسے غیر شادی شدہ آدمی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے روزہ کی عادت ڈالنی چاہیے۔ کیونکہ

فان الصوم له وجاء ۔" روزہ قاطع شہوات ہے۔

سو کر اُٹھنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ کسی برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ :-

انه لایدری این باتت یدہ ۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ رات بھر کہاں رہے ۔

ایک عقل سلیم رکھنے والا انسان اسلام کے احکام پر جس قدر زیادہ غور کرے گا اتنا ہی وہ انہیں قرین عقل پائے گا چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر اوقات شریعت کی نسبت مصالح اور وجوہ پر غور کرتے جب کسی مسئلہ کی حکمت ان کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ اول تو باہم سوچ بچار کرتے اور اگر پھر بھی اُسے اپنے فہم سے بالاتر پاتے تو فوراً رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر جستجو کی جائے تو اس قسم کے اخبار و آثار اس کثرت سے ملتے ہیں کہ ان کا آسانی سے احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہاں صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابن عباسؓ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے، کہ اس سے مطلوب نظافت اور صفائی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی باغ کے میوہ دار درختوں کو اس وقت تک فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ میوہ اچھی طرح پختہ نہ ہو اور یہ یقین نہ ہو جائے کہ اب وہ ہر قسم کی آفت سے محفوظ ہو گا۔ زید بن ثابتؓ

نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آپ کے اس حکم کے دینے کی وجہ یہ ہے اور اس میں یہ بات آپ کے پیشِ نظر تھی کہ اگر میوہ پک جانے سے پہلے درختوں کو فروخت کیا جائے تو ممکن ہے باغ پر کوئی آفت نازل ہو، اندریں صورت خریدار کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا[1]۔"

"سفر میں جو قصرِ نماز کا حکم دیا گیا ہے وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اشارہ ہے وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے[2]۔"

ان تصریحات سے اس حقیقت کا ایک ہلکا سا ادراک ہو سکتا ہے کہ اسلام کس طرح تھیاکریسی کے برعکس انسان کی عقل و فکر، اور فہم و شعور کی قوتوں کو اُبھارتا ہے۔ اگر مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ بحیثیت مجموعی شاید ہی کسی مذہبی کتاب نے عقل کو اس قدر اجاگر کیا ہو جتنا کہ قرآن حکیم نے کیا ہے۔

پھر اس کتاب پاک نے نہ صرف عقل کو جلا دی ہے بلکہ اسے "سلیم" بنانے کے لیے بھی پوری کوشش کی ہے۔ اُسے اُس کی حدود سے آگاہ کیا، اُسے حیاتِ انسانی کے سارے خطرناک راستوں کی واقفیت بہم پہنچائی۔ جدید تمدن نے بلاشبہ انسان کو عقل سے کام لینا سکھایا۔ مگر جب یہی عقل اس گمراہی میں مبتلا ہوئی اور بغیر وحی و الہام کی مدد کے نوعِ انسانی کی راہنمائی کا فرض سرانجام نہ دے سکی تو اس وقت عقل تباہ کن ثابت ہوئی۔ تہذیب جدید کی سب سے بڑی بدنصیبی اور نارسائی یہی ہے کہ اس نے عقل کو بے زمام چھوڑ دیا ہے کہ جدھر چاہے جائے اور جو چاہے کرے۔ اسلام نے عقل کی زمام کار وحی الٰہی کے ہاتھوں میں دے کر اُس کی بے راہ روی کو ختم کر دیا ہے اور اس طرح اسے انسانیت کے لیے مفید اور کار آمد بنایا ہے۔ تھیاکریسی، اسلام اور تہذیب مادیت نے عقل کے متعلق جو مختلف رویے اختیار کیے ہیں ان کے فرق کو وہ شخص اچھی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ   [2] الفاروق از مولانا شبلی

طرح سمجھ سکتا ہے جس نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہو۔ دنیا کے مذاہب میں اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے انسان کی عقلی قوتوں کو ابھارا بھی ہے، مگر اس کے ساتھ اُن کی گمراہیوں کی بھی پوری طرح نشان دہی کر دی ہے تاکہ وہ اپنی حد سے بڑھ کر خطرناک راہوں پر گامزن نہ ہوں اور یہی وجہ ہے کہ اس نے ایک طرف وحیِ الہام کی تکمیل کو بطور اساس تسلیم کرتے ہوئے زندگی کی ساری عمارت کو اُس کے مطابق تیار کیا ہے، اور دوسری طرف اُس نے تھیاکریسی کے جمود آفریں نظریہ کی جگہ حرکت کے اصول کو بھی اپنایا ہے۔ تھیاکریسی انسان کی رہبری اُس معاشرہ میں کر سکتی ہے جو بالکل جامد، غیر متحرک اور بے حس ہو مگر جونہی معاشرہ نے ایک کروٹ لی، تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکلنی شروع ہو گئی۔ اس نے پوری کوشش سے راہوار زمانہ کو واپس لوٹانا چاہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ تو مذہب کو خیرباد کہہ کر نئی قوتوں کے ساتھ جا ملے، اور اہلِ مذہب نے اپنی عافیت اس میں سمجھی کہ حالات کے تقاضوں سے یکسر آنکھیں بند کر کے، تنگ نظری اور تعصبات کی پناہ میں کچھ دیر وقت گزاریں ظاہر ہے کہ ان کمزور سہاروں پر کوئی سوسائٹی زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ انقلاب کی آندھیوں نے ان سب کو فضائے آسمانی میں بکھیر دیا۔ اور کچھ مدت گزرنے کے بعد ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ (باقی آئندہ)

ضروری اعلان

کینیڈا کی میکگل یونیورسٹی (MCGILL UNIVERSITY) دیگر علماء اسلام کے علاوہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اسلامی تصنیفات اور دینی ذخیرہ پر علمی تحقیق (RISEARCH WORK) کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں یونیورسٹی ماہنامہ "ترجمان القرآن" کی جلدوں سے بھی استفادہ کرنا چاہتی ہے جس کے لیے مذکورہ پرچہ کی پوری فائل کی ضرورت ظاہر کی گئی ہے۔ لہٰذا ایسے تمام حضرات سے جو ترجمان القرآن کے پچھلے تمام شماروں یا بعض شماروں کو فارغ کر سکیں یا فروخت کرنا چاہیں، التماس ہے کہ وہ مجھے اطلاع فرمائیں کہ ان کے پاس کونسی جلد کے کون کون سے پرچے ایسے ہیں جو وہ فارغ کر سکتے ہیں۔

غلام محمد ناظم ادارہ چراغِ راہ کراچی